خواجہ معین الدین سجزی اجمیریؒ تاریخ کی روشنی میں

از: جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔ ریڈر شعبۂ عربی دلی یونیورسٹی دہلی

(۲)

'سیرالاولیاء' نے آپ کے کچھ ملفوظات بھی درج کیے ہیں۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا کہ حق کو پہچاننے کی علامت خلق سے کنارہ کشی ہے، اور معرفت میں خاموش رہنا ہے۔ اور فرمایا کہ جب ہم نے عالم ظاہر سے نکل کر نگاہ کی تو عاشق، معشوق و عشق کو ایک ہی پایا یعنی عالم توحید میں وحدت ہی وحدت ہے۔

اور فرمایا کہ حاجی اپنے جسم (قالب) سے خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں مگر جو عارف ہیں وہ اپنے دل (قلب) سے عرش اور حجاب عظمت کے گرد طواف کرتے ہیں اور رب کعبہ کی رویت کے طالب ہوتے ہیں۔ اور فرمایا کہ شقاوت کی نشانی یہ ہے کہ گناہ کرے اور پھر بھی مقبولیت کی امید رکھے۔ فرمایا کہ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ فرشتوں کو فرمان دے گا کہ دوزخ کو وہاں سے باہر نکالیں۔ پھر اُسے ہنکایا جائے گا پھر وہ ایک پھونک مارے گا تو سارا میدان حشر وہیں سے اٹھ جائے گا۔ اس دن کے عذاب سے جو اپنے تئیں بچانا چاہے اُسے وہ عبادت کرنی چاہیے جس سے بہتر عبادت اللہ کے نزدیک اور کوئی نہ ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ عبادت ہے بے کسوں کی فریاد سننا، حاجت مندوں کی

حاجت روائی کرنا اور بھوکے کو کھانا کھلانا۔ اور فرمایا کہ جس میں یہ تین خصلتیں ہوں سمجھو کہ وہ بے شک اللہ کا دوست ہے ایک دریا کی سی سخاوت دوسرے آفتاب کی سی شفقت میرے زمین کی سی تواضع۔"

سیر الاولیا کی تالیف فیروز تغلق کے زمانے میں ہوئی ہے اور اس کے آخر میں جو ایک تاریخ درج ہے جس سے فیروز شاہ تغلق کی تاریخ وفات ۷۹۰ھ برآمد ہوتی ہے اُس سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ امیر خورد اُس وقت تک زندہ تھے اور اُنھوں نے کتاب کی تالیف سے فارغ ہونے کے بعد بھی ۲۵۔۳۰ برس تک اس پر نظر ثانی و اضافے کا کام جاری رکھا ہے۔ اس پر نگاہ کیجیے تو سیر الاولیاء میں جو کچھ ہے وہ بھی ہم عصر بیان نہیں ہے اور خواجۂ بزرگ کے وصال سے تقریباً سوا سو برس کے بعد لکھا گیا ہے۔

میری تحقیق کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کے حالات و ملفوظات میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ اہم ماخذ "سرور الصدور و نور البدور" ہے جو آج تک نہیں چھپی ہے اور جس کے قلمی نسخے بھی اب ساری دنیا میں صرف دو تین ہی باقی رہ گئے ہیں۔ حضرت خواجہ بزرگ سے لاکھوں انسانوں کو فیض پہنچا اور آج بھی اسی طرح جاری ہے اور آپ کی حیات ظاہری کے زمانے میں ہزارہا انسان بیعت ارادت کے شرف سے سعادت اندوز ہوئے مگر آپ کے خلفاء میں صرف تین نام ہی ملتے ہیں۔ خلیفۂ اول حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ ہیں جن کا انتقال اپنے پیر و مرشد کی حیات ہی میں ہو گیا تھا دوسری خلافت خواجۂ بزرگ اور قطب صاحب دونوں نے مل کر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کو دی تھی، لیکن بابا صاحب کو خلافت اولیٰ حضرت قطب صاحب سے پہنچی تھی، اس لیے آپ اُن کے ہی جانشین اور خلیفہ مانے جاتے ہیں۔ تیسری خلافت سلطان التارکین ابو احمد شیخ حمید الدین بن محمد سوالی ناگوری علیہ الرحمۃ کو ملی۔ یہ میدانِ ترک و تجرید کے ایسے یکہ تاز تھے کہ خود خواجۂ بزرگ نے انھیں "سلطان

اختیار کیں۔ لقب مرحمت فرمایا تھا۔ آپ نے طویل عمر پائی اور ۲۹ ربیع الآخر ۶۷۳ھ میں وصال ہوا مزار مبارک ناگور میں معبد رفیوض و مرجع خلائق ہے۔

شیخ حمید الدین ناگوری فرمایا کرتے تھے کہ "اول مولود کہ بعد از فتح دہلی در خاندان مسلمانان آمد منم"۔ اور جیسا کہ ہم نے ابتداء میں ذکر کیا دہلی کی فتح قطب الدین ایبک کے ہاتھوں ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں ہوئی اور یہی شیخ ناگوری کی ولادت کا سنہ ہے اس حساب سے انھوں نے تقریباً ۸۴ سال کی عمر پائی۔ شیخ ناگوری عالم اور صاحب تصانیف بزرگ تھے ان کی کتابیں حضرت نظام الدین اولیاء کے زیر مطالعہ رہتی تھیں اور انھوں نے کتابوں کے بعض اقتباسات اپنے قلم مبارک سے نقل کر رکھے تھے جنھیں مؤلف سیرالاولیاء نے بھی اخذ کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اخبارالاخیار" میں شیخ ناگوری کی تصانیف کے بعض اقتباسات درج کیے ہیں اور یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء سے اُن کی ملاقات ہوئی ہوگی شیخ ناگوری کے پاس دو طناب زمین تھی جس میں اپنے ہاتھ سے تخم ریزی کرتے تھے اور اُس کی پیداوار سے اپنا اور اپنے کنبے کا پیٹ پالتے تھے۔ ان کے فرزند شیخ عزیزالدین تھے جن کے تین بیٹے ہوئے۔ شیخ وحیدالدین ۷۲۳ھ (۱۳۲۴ء) میں انتقال فرما گئے تھے دوسرے شیخ نجیب الدین ابراہیم تھے انھوں نے دہلی جاکر حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں بھی کچھ وقت گذارا تھا اور اُن سے استفادہ کیا تھا۔ کہتے تھے:

"ایک دن میں شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں گیا ہوا تھا۔ ایک بوڑھے مولوی صاحب بڑی سی پگڑی باندھے ہوئے آئے اور شیخ کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ کہنے لگے حضرت آخر قاضی عالم کو یہ محبوبیت کہاں سے نصیب ہوئی ہے۔ ہم یہاں برسوں سے پڑے رہتے ہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں اور وہ جیسے ہی آتے ہیں لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور اعزاز کرتے ہیں گلام بھی کرتے ہیں آتی جا

ایسا ہوا کہ فوراً اُنھیں آگے آگے لے گئے خوب نذریں ملیں اور اعزاز واکرام الگ رہا۔

حضرت نظام الدین خاموشی سے مولوی صاحب کی گفتگو سنتے رہے اور کچھ نہیں فرمایا، پھر وہ مولوی صاحب خود ہی کہنے لگے میں نے سنا ہے کہ ناگور میں کوئی پیر تھے ان کا نام شیخ حمید الدین تھا یہ قاضی عالم ان کے نظر یافتہ ہیں۔ جب مولوی صاحب نے یہ جملہ کہا تو حضرت نظام الدین نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہ صاحب اُنھیں کے پوتے ہیں! مولوی صاحب نے اٹھ کر میرے قدموں میں سر رکھ دیا۔

شیخ عزیز الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے شیخ فرید الدین چاک پران بھی حضرت نظام الدین اولیاء کے ہم عصر تھے۔ انھوں نے ایک بار صفر ۷۲۹ھ (دسمبر ۱۳۲۸ء) کی ایک مجلس میں فرمایا کہ میں ۷۷ سال سے وعظ کہہ رہا ہوں اور پہلی بار سات سال کی عمر میں منبر پہ قدم رکھا تھا اس حساب سے ۷۲۹ھ میں آپ کی عمر ۸۴ برس کی ہوئی اور ولادت کا سنہ ۶۴۵ھ (۱۲۴۷ء) تسلیم کیا جائے گا۔ آن کے والد شیخ عزیز الدین کا انتقال ۶۶۶ھ اور ۶۷۷ کے درمیان کسی وقت ہوا۔

شیخ فرید الدین ناگوری دہلی آتے رہتے تھے اور آخر عمر میں یہیں آکر بس گئے تھے۔ اُن کا انتقال ۷۳۴ھ (۱۳۳۳ء) میں حضرت نظام الدین اولیاء کے وصال سے نو سال کے بعد ہوا۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام میں ۷۲۹ھ اور ۷۳۴ھ کے مابین آپ کی مجالس اور ملفوظات قلمبند کئے گئے جس میں آپ نے اپنے دادا شیخ حمید الدین ناگوری کے ملفوظات بھی بیان فرمائے ہیں اور اسی کا نام "سرور الصدور و نور البدور" ہے اس کا ایک قلمی نسخہ جھنجھنوں کے حضرت شاہ نجم الدین صوفی کی خانقاہ میں تھا جس کی ایک نقل ۱۳۱۷ھ میں تیار کی گئی اور وہ نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے

جامعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ کردیا گیا یہ ۲۵۹ اوراق کا نسخہ ہے اور اس کا ایک تہائی حصہ "سرور الصدور" پر مشتمل ہے باقی دو تہائی کتاب میں شیخ حمید الدین صوفی، شیخ عزیز الدین اور شیخ فرید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ کے مکتوبات اور رسائل وغیرہ ہیں اور اُن میں بھی بہت کارآمد مواد موجود ہے۔

ان مکتوبات و رسائل سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فرید الدین صوفی پہلی بار صفر ۶۸۱ھ (اپریل ۱۲۸۲ء) میں دہلی آئے تھے اور یہاں سے اُنھوں نے اپنے بھائی شیخ نجیب الدین ابراہیم کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ "حضرت نظام الدین شیخ وقت ہیں تم جب بھی مجھے خط لکھو، اپنی اور تمام اعزا کی جانب سے ان کی خدمت میں سلام ضرور لکھنا اس میں ہرگز کوتاہی نہ ہو۔" "در مکتوبات کہ بایں طرف بفرستند برائے شیخ الوقت شیخ نظام الملۃ والدین سلام بنویسند واز زبان یاران جملہ بجانب او سلام بنویسند تقصیر نکنند۔ مرد صاحب دردِ در جملہ دہلی چنو آورانیا فتم اوصل اللّٰہ برکات انفاسہ الی کافۃ المسلمین۔"

حضرت نظام الدین اولیاء اُن سے ملاقات کرنے کے لئے دو بار بنفس نفیس تشریف لے گئے اور ان کا وعظ سننے کا اشتیاق بھی ظاہر کیا۔ جس حجرے میں یہ ٹھہرے ہوئے تھے اسے دیکھ کر بہت حیرت کا اظہار فرمایا کہ آپ اِس تنگ و تاریک حجرے میں رہ کیسے رہے ہیں؟ شہر غیاث پور جاکر اپنے ایک خادم محمد صوفی کو بھیجا کہ وہ شیخ فرید الدین کا سامان لے آئے اور اُن سے کہے کہ میرے حجرے کے اوپر اتنی جگہ ہے کہ آپ وہاں آرام سے ٹھہر سکتے ہیں۔ شہر میں جہاں کہیں حضرت نظام الدین کو بلایا جاتا تھا آپ کہلا بھیجتے تھے کہ شیخ فرید ناگوری بھی میرے ساتھ آئیں گے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

شیخ وقت شیخ نظام الدین سلمہ اللّٰہ تعالیٰ وعظ کا بہت تقاضا کرتے ہیں۔	شیخ وقت شیخ نظام الدین سلمہ اللّٰہ تعالیٰ بسیار تقاضائے تذکیر میکنند

ہا ایں ضعیف چہ الطاف وکرم او از جملہ
گذشتہ است دفع نمنوانند گفت۔
ان شاء اللہ تعالیٰ باحسن الاحوال میسر
گردد شیخ نظام الدین فرمودہ بودند
ودو بار بریں ضعیف آمدہ بود۔ بنایت
تعجب کردکہ دریں حجرہ چگونہ میباشید؟
بعد ازاں بدست حاجی محمد پیغام کردکہ
اینجا موضع است بالائے حجرۂ من
اگر بیایند کرم کردہ باشند۔ دعاگوے
چوں ایں جا مسجد جمعہ نزدیک بود
بخدمت مولانا شرف الدین موصلی
سلمہ اللہ رفتہ می باشد عذر گفت۔ دریں
مدت بخانہ مراجعت خواہد افتاد و زحمت
دادہ نمی آید معہذا ہر کجا بدعوتے اورا
بطلبند ایں ضعیف را بطلبد و آنچہ
از کرم طبع ایشاں سزد از اکرام دریغ
نداشت حق سبحانہ وتعالیٰ توفیق حق
گذاری الطاف ایشاں کرامت کناد

اور چونکہ ان کا الطاف وکرم سب سے
زیادہ ہے اس لئے یہ ضعیف انکار بھی
نہیں کرسکتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت
اچھی طرح میسر ہوگا۔ شیخ نظام الدین نے
فرمایا تھا اور دوبار اس ضعیف کے
پاس تشریف بھی لائے تھے۔ بہت تعجب
کیا کہ تم اس کوٹھری میں کس طرح رہ
رہے ہو پھر حاجی محمد کے ہاتھ پیغام
بھیجا کہ یہاں میرے حجرے کے اوپر
ایک جگہ موجود ہے اگر آپ یہاں
آجائیں تو کرم ہوگا۔ مگر اس دعاگو
نے اس لئے معذرت کرلی کہ یہاں سے
جامع مسجد قریب ہے اور مولانا شرف
الدین موصلی کی خدمت میں بھی جانا ہوتا
رہتا ہے اس مدت میں گھر کو واپسی
ہوجائے گی اور زحمت دینے کی ضرورت
پیش نہیں آئے گی۔ علاوہ ازیں جہاں
کہیں انھیں دعوت میں بلایا جاتا ہے،
اس ضعیف کو بھی بلا لیتے ہیں اور جو ان کی
طبیعت کے شایان شان ہے عزت اکرام
میں دریغ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ہمیں

اُن کے الطاف و کرم کا حق ادا کرنے کی
توفیق عطا فرمائے۔

دوسری بار شیخ فرید صوفی دہلی کب آئے اس کا علم نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے اس بار دہلی سے واپس محرم ۷۰۸ھ (فروری ۱۳۰۸ء) میں ہوئی تھی۔ آخری سفر منند وفرزند کے ساتھ دوشنبہ ۲۱۔ رمضان ۷۳۰ھ کو دہلی پہنچے تھے اس وقت دہلی بالکل اجڑ چکی تھی، سلطان محمد بن تغلق نے ساری آبادی کو یہاں سے دولت آباد منتقل کر دیا تھا مگر ۷۲۹ھ میں ملتان میں کچھ شورش ہوئی اُسے دفع کرنے کی نیت سے محمد تغلق دہلی آیا ہوا تھا اس نے شیخ فرید الدین صوفی کو بھی دولت آباد جانے کا حکم دیا اور یہ ۷۳۱ھ کے آخر میں وہاں تشریف لے گئے۔ اُس وقت حضرت برہان الدین غریبؒ اور امیر حسن علاء سجزی دہلویؒ دونوں دولت آباد میں موجود تھے اس لئے یقین ہے کہ ان بزرگوں سے بھی ملاقات رہی ہوگی۔

ملتان میں غیاث الدین تغلق کے متبنّی ملک ابراہیم کی بغاوت کو دبانے کے لئے محمد بن تغلق کو جو پاپڑ بیلنے پڑے اس سے یہ سبق مزور مل گیا کہ دولت آباد میں بیٹھ کر شمالی ہندوستان پر حکومت کرنا آسان نہیں ہوگا اس لئے پھر دہلی واپس جانے کا حکم جاری کر دیا گیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فرید الدین ناگوری بھی شعبان ۷۳۲ھ (اپریل ۱۳۳۲ء) میں پھر دہلی واپس تشریف لے آئے۔ دہلی میں بجے منڈل سے مشرق کی جانب اُن کا مکان تھا اور اب اُسی جگہ مزار مبارک ہے۔ انتقال ہفتہ کے دن یکم جمادی الاولیٰ ۷۳۴ھ (۸ جنوری ۱۳۳۴ء) کو ہوا تھا۔

"سرور الصدور" میں حضرت شیخ حمید الدین ناگوری علیہ الرحمۃ کے بارے میں ان کے فرزند شیخ عزیز الدین کی روایات بھی ہیں اور خود شیخ فرید الدین نے بھی اپنے مشاہدات ومعلومات درج کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ حمید الدین سوالی نے حج بھی

کیا تھا اور وہ حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین غریب نواز قدس سرہ کی خانقاہ میں امامت سے مشرف تھے، خواجۂ بزرگ اُن کی اقتدا میں نماز ادا فرماتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص کچھ پوچھنے یا وضاحت طلب کرنے کے لئے آجاتا تھا اور خواجۂ بزرگ اُسے شیخ حمید ناگوری کی طرف بھیج دیتے تھے۔ ایک بار خواجۂ بزرگ اجمیر کے قلعے میں تشریف فرما تھے ایک درویش آئے اور انھوں نے پوچھا کہ وہ کون سی باتیں ہیں جو ایک تارک دنیا میں پائی جانی چاہییں۔ حضرت خواجۂ خواجگان نے فرمایا کہ "شریعت میں تو صرف یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے کرنے کا حکم دیا ہے اُسے کرے اور جن باتوں سے باز رہنے کو کہا ہے اُن کے پاس نہ پھٹکے۔ ایسے شخص کو اگر کوئی تارک دنیا کہے تو بیجا نہ ہوگا مگر طریقت میں نو باتیں اور ہیں جب تک وہ پوری نہ ہوں کسی کو تارک نہیں کہا جا سکتا۔ پھر آپ نے حضرت شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کی طرف دیکھا اور فرمایا تم اِن درویش کو "ترک" کے بارے میں تفصیل بتادو اور لکھ کر بھی دے دو تاکہ یہ کسی "عالم خدا" کو دکھالیں اور پھر بہت سے مسلمانوں کو نفع پہنچائیں۔"

اب اِن درویش کو شیخ ناگوری نے بتایا کہ صوفیائے چشت کے نزدیک "ترک" کیا ہے۔ اول یہ کہ کسب نہ کرے، دوسرے قرض نہ مانگے، تیسرے اگر سات روز کا فاقہ ہو تب بھی کسی کے سامنے اپنا راز فاش نہ کرے، اور اُس سے مدد طلب نہ کرے، چوتھے یہ کہ اگر بہت سا کھانا یا روپیہ یا غلّہ یا کپڑا اُسے مل جائے تو اگلے روز کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھے۔ پانچویں یہ کہ کسی کے حق میں دعائے بد نہ کرے، اگر کوئی بہت ستائے تو بس اتنا کہے کہ یا اللہ اپنے اس بندے کو راہِ راست دکھا دے۔ چھٹے یہ کہ اگر کوئی اچھا کام بن پڑے تو اسے اپنے پیر کی شفقت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت، اور حق تعالیٰ کی رحمت جانے۔ ساتویں یہ کہ اگر کوئی بُرا فعل سرزد ہو تو اسے اپنے نفس کی شومت سمجھے خود کو بُرے اعمال سے بچاتے رکھے اور اللہ سے ڈرتا رہے تاکہ آئندہ وہ خطا پھر سرزد نہ ہو۔ جب اس منزل تک پہنچ جائے تو آٹھواں مرحلہ یہ ہے کہ دن میں روزہ رکھے اور رات کو قیام کرے۔ نویں یہ کہ

خاموش رہے اور صرف اُسی وقت کلام کرے جب حاجتِ اصلی ہو، چنانچہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہی ہے کہ بولنا حرام ہے، اور خاموش رہنا بھی حرام ہے، اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہی بات بولے جس کا مقصد خوشنودیِ حق تعالیٰ کا حصول ہو۔"

اِس مختصر تقریر میں جو نو نکات پر مشتمل ہے شیخ ناگوری نے اپنے پیر و مرشد کی ایماء سے سلوک طریقت کا خلاصہ پیش کر دیا ہے باقی جو کچھ ہے وہ سب اس کی تفسیر ہے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ "ترک" پر اتنا زور کیوں دیا گیا ہے؟ اس سلسلے میں یہ ملحوظ رہے کہ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ شریعت میں "ترکِ دنیا" صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اوامر و نواہی کا خیال رکھے اور خدا اور اس کے رسول نے جن باتوں کو چھوڑنے کے لئے کہا ہے اُن کے پاس نہ پھٹکے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی بھی اپنے مریدوں سے یہی فرمایا کرتے تھے کہ "وصیت ہمیں است کہ آنچہ خُدا و رسول خدا منع کردہ است آن نکنی!"

شیخ ناگوری نے فرمایا کہ کل خدا یہ نہیں پوچھے گا کہ تم ہمارے لئے کیا لے کر آئے۔ یہ پوچھے گا کہ بتاؤ ہماری خاطر تم نے کیا چیز ترک کی تھی؟

یہ "الدین یسر" کے مصداق وہ فلسفہ ہے جس کا عام مسلمان کو مکلف کیا گیا ہے اس کے بعد نو مرحلے اپنے شیخ کی نیابت میں حضرت ناگوری نے بیان فرمائے وہ دراصل ایک درویش سے خطاب ہے یعنی ان شرائط کی تکمیل کی توقع اُن خواص سے کی جائے گی۔ جو روحِ شریعت تک پہنچنے کے آرزومند ہوں۔

لہٰذا علماء ہی میں نہیں اس وقت صوفیاء میں بھی ایسے بزرگ تھے جنھوں نے دنیا جمع کر رکھی تھی اور اس کی بدولت اُن پر وہ آفتیں آ رہی تھیں جو دولت کے ساتھ آتی جاتی ہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالم اسلام میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ غنا افضل ہے یا فقر۔ شیخ سعدی نے بھی گلستان میں "جدالِ سعدی با مدعی" کے عنوان سے پورا معرکۂ فقر و غنا کے موضوع ہی پر لکھا ہے۔ صوفی حمید سوالی نے بھی "فقر و غنا" کے موضوع

پر ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ اور اس بارے میں وہ دوسرے درویشوں سے مراسلت بھی رکھتے تھے چنانچہ ناگور میں ایک تاجر تھا وہ ہر سال تل لے کر ملتان کی منڈی میں بھیجا جاتا تھا اور وہاں سے روئی لے کر ناگور آتا تھا وہ شیخ حمید سوالی کے خطوط حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی کے نام لے جاتا تھا اور ان کا جواب لا کر حضرت کو دیا کرتا تھا۔ ان خطوط میں شیخ ناگوریؒ نے حضرت ملتانی کی دولت مندی پر اعتراضات کیے تھے اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ خدا نے متاعِ دنیا کو قلیل فرمایا ہے "قُل مَتَاعُ الدُّنیا قلیل" اور میرے پاس کا اس کا اقلِ قلیل ہے۔ اس پر شیخ ناگوری نے پھر کچھ لکھا تو حضرت ملتانی نے جواب نہیں دیا۔

اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب شیخ نجم الدین صغریٰ نے شیخ جلال تبریزی پر اتہام لگایا اور التمش کے دربار میں اُن کے خلاف محضر مقرر ہوا اور اُنھوں نے شیخ بہاء الدین ملتانی کو اپنا گواہ بنا کر پیش کیا تو اس محفل میں صوفی حمید الدین ناگوری بھی موجود تھے اُنھوں نے شیخ ملتانی سے کہا کہ جہاں کہیں مال ہوتا ہے وہاں مار (سانپ) بھی رہتا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ چنانچہ کہاوت بھی ہے کہ "گنج با مار و گل با خار" مال اور مار میں کچھ صوری مناسبت بھی ہے، مگر معنوی مناسبت کیا ہے یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ شیخ ملتانی نے فرمایا کہ اگرچہ دونوں میں کوئی صوری مناسبت نہیں ہے البتہ معنوی مناسبت موجود ہے اور وہ یہ کہ اپنے زہر کی وجہ سے مار (سانپ) مُہلک ہے اور مال اکثر لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ شیخ ناگوری نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مال اور مار ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں تو جو مال جمع کرتا ہے وہ گویا مار جمع کر رہا ہے۔ شیخ ملتانی سمجھ گئے کہ یہ میری دولت کی طرف اشارہ ہے فرمانے لگے کہ اگر کسی کو سانپ کا منتر یاد ہو تو اُسے سانپ کا زہر کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ شیخ ناگوری نے کہا کہ ایک پلید زہردار اور پُر خار جانور کو پالنا اور پھر اُس کا منتر یاد رکھنے کے جھنجھٹ میں پھنسنا کون سی دانائی ہے؟۔ جب شیخ ملتانی نے دیکھا کہ ان کی دلیل تو کمی ہوتی جاتی ہے تو کہنے لگے کہ یہ الزام تو مجھ پر ہی نہیں میرے پیر و مرشد پر بھی

عائد ہوتا ہے۔ اسی وقت شیخ شہاب الدین سہروردی کی روح پرفتوح حاضر ہوئی اور کہا کہ بہاء الدین ان سے یہ کہہ دو کہ تمہاری درویشی میں ایسا حسن وجمال نہیں ہے جسے نظر لگنے کا اندیشہ ہو اور ہماری درویشی میں اتنا جمال کمال ہے کہ اُسے نظر گذر سے بچانے کے لئے ٹیکا بھی درکار ہے اس لئے ہم نے "وسمہ، سیاہی دُنیا" اس کے چہرے پر لگالیا ہے۔" جب شیخ ملتانی نے حضرت ناگوری سے یہی بات کہی تو اُنھوں نے فرمایا "سُبحان اللہ۔ آپ کی درویشی میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی درویشی سے زیادہ توحُسن وجمال نہیں ہے۔ اُن حضرت نے غنا پر فقر کو ترجیح دی اور فرمایا کہ " الفقرُ فخری وَالفقرُ منّی "۔ اِس پر شیخ ملتانی نے کچھ جواب نہیں دیا۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملتانی کے ایک صاحبزادے ناگور تشریف لائے تو اُنھوں نے دیکھا کہ شیخ حمید الدین ناگوری جمعہ کی نماز میں موجود نہیں تھے اس پر اُنھوں نے خاصا ہنگامہ کیا اور شیخ ناگوری نے فرمایا کہ ناگور" مصر" کے حکم میں نہیں اس لیے یہاں جمعہ کا وُجوب بھی نہیں ہے۔ مگر اُنھوں نے علماء کو ساتھ ملاکر خاصی بحث کی۔ شیخ نے فرمایا کہ تم نے جتنا ہمارے اوقات میں خلل ڈالا ہے اُتنی دیر کے لئے " ماترا جلس ورد پیشاں داریم"۔ شیخ حمید کے انتقال کے بعد حضرت ملتانی کے یہ فرزند کہیں جارہے تھے راستے میں ایک ڈاکو نے اُنھیں گرفتار کرلیا اور کہا کہ تمہیں اپنے والد ماجد کی چھوڑی ہوئی جائیداد سے اتنا مال ملا ہے وہ سب لاؤ جب رہا کروں گا۔ اُنھوں نے اپنے بھائی شیخ صدرالدین ملتانی کو قید کا ماجرا اور رہائی کی شرط لکھی وہاں سے مال آیا تب اُنھیں نجات ملی۔

حضرتِ ملتانی کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین ملتانی علیہ الرحمۃ ۷۲۰ھ میں سلطان قطب الدین مبارک خلجی کی دعوت پر دہلی آئے تھے جس نے اُنھیں حضرت نظام الدین اولیاء کا اثر ورسوخ ختم کرنے کی نیت سے بلوایا تھا۔ مگر اسی سال خسرو خاں نے سلطان کو قتل کردیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ حضرت شیخ رکن الدین پھر بھی چار سال تک دہلی میں رہے اُنھوں نے حضرت نظام الدین

اولیاء کے جنازے کی نماز پڑھائی تھی اور اُس وقت یہ فرمایا تھا کہ "امروز مرا تحقیق شد کہ چہار سال کہ مرا در شہر دہلی جا داشتند مقصود ایں بود کہ بشرف امامت نماز جنازہ سلطان المشائخ مشرف شوم" (سیر الاولیاء) لیکن دہلی میں اُن کے طویل قیام کا سبب معلوم ہوا کہ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی خسرو خاں کے محل کے زینے سے گر پڑے تھے جس سے چہرہ مبارک پر بہت چوٹ لگی تھی اور ران کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی تھی۔ یہ ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) کا واقعہ ہوگا کیونکہ اسی سال چار ماہ اور چند روز کے لئے برسر اقتدار رہ کر غیاث الدین تغلق کے ہاتھوں خسرو خاں مارا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس مجبوری کی وجہ سے آپ کو ایک طویل عرصے تک دہلی میں قیام کرنا پڑا ہوگا۔

شیخ فرید الدین نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے سنا ہے حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

ہاں اے دل گرم، با دم سرد بساز ۔۔۔ با دیدۂ لعل و با رخ زرد بساز
فریاد رسے چو نیست فریاد مکن ۔۔۔ درماں چو نمی بینی با درد بساز

اور فرمایا کہ شیخ جیو نے یہ اشعار بھی اکثر "خواجہ" جیو کو پڑھتے سنا ہے۔

اے دل غم آن مخور کہ فردا چہ شود ۔۔۔ زیرا کہ ہمہ خوشی دراں بے بشود
حکمے کہ بکرد است خداوند جہاں ۔۔۔ دانم چہ شود، وا گر ندانم چہ شود؟

۵ جمادی الثانیہ ۷۵۶ھ کی مجلس میں شیخ فرید ناگوری نے فرمایا۔

"شیخ بزرگ قدس اللہ روحہ العزیز امامت خواجہ جیو ہم کردے۔ چوں خواجہ جیو در اجمیر فرود آمد ملکے کہ دراں وقت بود خواجہ جیو را مرید شد و دختر کے بخدمت خواجہ جیو فرستاد و خواجہ جیو دراں وقت معمر شدہ بود می گویند عمر ایشاں بنود سال رسیدہ بود۔ خواجہ جیو را ازاں دختر دو فرزنداں شدند۔ تا وقتیکہ شیخ بزرگ را گفت: حمید چیست اینکہ ہرگاہ کہ ما دراں جوانی کہ مجرد بودہ ایم حاجتے نبشدے دعائی کردیم در حال اجابت شدے وایں ساعت کہ پیر شدیم و فرزنداں آمدند ہرگاہ کہ حاجتے می شود بسیاری باید و دعا ہم کردہ شود

ولیکن بعد از دیر تر با حاجت می رسد و حاجت بر می آید۔ ایں حکمت چیست؟
شیخ بزرگ فرمود گفتم یا شیخ شمارا بہتر روشن است از قصہ مریم۔ دراں وقت کہ مجرد بود
بے خواست او میوۂ زمستانی بتابستان می رسید و میوۂ تابستانی بزمستان می آمد کہ دلش بخدا یکتا
بود۔ چوں عیسیٰ علیہ اسلام بزاد مریم علیہا السلام منتظر بود کہ ہم چناں خواہد رسید فرمان آمد
وھزی الیک بجذع النخلۃ۔ چوں دل ت با یکتا بود نخواستیم کہ برائے ناں
دو دلہ مانی۔"
از شیخ خواجہ چوں ایں بشنید پسندید نَد۔"

سرور الصدور سے معلوم ہوتا ہے کہ ___________

___ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں (۶۳۳ - ۶۰۷ھ) چالیس یاروں کا قافلہ ایک ساتھ دہلی میں آیا تھا ان میں سے ہر ایک کو سلطان نے جائزہ گراں دیا تھا۔ ان میں شیخ نجیب الدین نخشبی بھی تھے انھوں نے اپنا حصہ کچھ حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا اور کچھ دوستوں کی ضیافت میں۔ التمش نے انھیں اپنا منہ بولا باپ بنالیا تھا اور دہلی کی شیخ الاسلامی ان کے تفویض کی۔ اس لئے یہ دہلی میں رہنے لگے۔ دوسرے احباب مختلف شہروں میں جاکر بس گئے حضرت شیخ معین الدین اجمیر میں تشریف لے آئے جب شیخ نجیب الدین دہلی کے شیخ الاسلام تھے خواجہ بزرگ اُن سے ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے تھے اور شیخ حمید الدین ناگوری بھی دہلی آیا کرتے تھے۔ ایک بار کہیں دعوت میں یہ سب بزرگ موجود تھے شیخ نجیب الدین نخشبی، شیخ معین الدین، شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ حمید الدین صوفی ناگوری۔ اس وقت موضوع گفتگو یہ تھا کہ اس زمانے میں "شیخ وقت" کون ہو سکتا ہے؟ اور کون ہے۔ سب اپنی اپنی رائے ظاہر کر رہے تھے۔ شیخ حمید الدین ناگوری نے کہا کہ اس زمانے میں "شیخ وقت" جیتل، (پیسہ) ہے۔ سب حضرات کہنے لگے کہ شیخ ہم سنجیدگی سے بات کر رہے ہیں اور تم مذاق میں جواب دے رہے ہو۔ شیخ ناگوری نے کہا کہ

میں بھی سنجیدگی سے یہی کہہ رہا ہوں۔ اس زمانے میں جس کے پاس جیتل زیادہ ہوں وہی "شیخ وقت" مانا جاتا ہے۔ ان کا یہ پُرمعنی فقرہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔

شیخ حمید الدین صوفی نے ایک بار ۵ جمادی الاول ۶۶۳ھ فرمایا کہ میرے تین پیر ہیں ایک پیر ارادت حضرت شیخ معین الدین اجمیری دوسرے پیر صحبت۔ مولانا شمس الدین حلوائی۔ تیسرے پیر خرقہ۔ شیخ حمید الدین محمد جوینی۔

لیکن انھیں حضرت خواجہ بزرگ غریب نوازؒ سے بھی خرقۂ ارادت ملا تھا۔ اور وہ تبرکات ان کے پوتے شیخ فرید الدین صوفی کے پاس محفوظ تھے۔ جمال الدین کلانی متعرف ناگور کو انھوں نے ایک کلاہ بھی اور اس کے ساتھ خط لکھا تھا۔

"کلاہے کہ ایں ضعیف را از شیخ رسیدہ است و شیخ را از خدمت اجل شیخ معین الدین سجزی قدس اللہ روحہا رسیدہ است فرستادہ شد باید کہ بحرمت و تعظیم تمام بر سر نہند و دوگانہ بگذارند و مرا دے کہ پیش دل آید بخواہد یقین است کہ بیابد بفضل اللہ۔"

حضرت خواجہ بزرگ کا خرقہ بھی شیخ فرید الدین صوفی تک پہنچا تھا۔ انھیں بیعت کرتے وقت یہ اقرار لیا تھا کہ "درویشی را دوست دارم و درویشاں را خدمت کنم"۔ پھر اپنا جبہ اتار کر پہنایا اور کہا: "ایں خرقہ شیخ است کہ بمن رسیدہ بود گرامی پوشانم و ایں ضعیف باید شانید" الغرض یہ کتاب حضرت خواجہ بزرگ اور ان کے ایک جلیل القدر خلیفہ کے حالات و ملفوظات کا سب سے اہم اور قابل قدر ماخذ ہے۔ اس میں ایک کتاب شرف الانوار کا حوالہ بھی آیا ہے اور ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی شیخ حمید الدین ناگوری کے ملفوظات پر مشتمل تھی اور فصل اور نوع کے عنوان سے مختلف فصول و ابواب میں تقسیم کر کے لکھی گئی۔ یہ اب ناپید ہو چکی ہے اگر کہیں اس کا نسخہ دستیاب ہو جائے تو اس میں بھی حضرت خواجہ اجمیری کے بارے میں بہت قیمتی معلومات ملیں گی اور یہ حضرت کے حالات میں سرور الصدور سے بھی قدیم تر ماخذ ہو گی۔